

چند تبصرے

پبلک ریج آف ایئر ٹی | (منظوم انگریزی ترجمہ تجاوید نامہ) مترجم شیخ محمود احمد
ناشر: ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔ سن اشاعت ۱۹۶۲ء

دبیر کاغذ۔ نفیس ٹائپ ضخامت ۸۴ صفحات قیمت: بارہ روپے۔

ادبی سرمایہ، زمان و مکان اور تخیل و زبان کی بولچھونی کے وصف بنی نوع انسان کی مشترکہ میراث ہے اور اس کے سرچشمے خواہ کہیں بھی چھوٹیں، اشکان علم کے لیے کوئی امر سزاوار نہیں ہے۔ یہی ادبی سرمایہ ایک ایسی روایت ہے جس سے ہر دور میں فن کار اپنے اپنے ظرف کے مطابق روشنی حاصل کرتا ہے اور اس میں محسوس توفیق اپنے جگر کا خون، دل کا نور شامل کر کے آئندہ نسلوں تک یہ قدر امانت پہنچانے کی سعی کرتا ہے، دیکھنا صرف یہ ہوتا ہے کہ فن کار نے اس میراث سے اپنے خیالات کی تمغیں کیونکر فردزاں کی ہیں، اس کے ہاں نقطہ نظر کا آفتاب کیسے طلوع ہوتا ہے۔ نئے معیار، نئی قدروں کی تشکیل کیونکر ہوتی ہے۔ ان حالات میں زندگی اور ادب کے قافلے کن نئی راہوں پر گامزن ہوئے ہیں۔ انسان اپنے عہد کے سماجی شعور، جذباتی، ذہنی، عملی اور ملکی زندگی کو کس نئے آہنگ سے روشناس کرتا ہے۔

علامہ اقبال مرحوم بھی ایسے ہی فن کار ہیں جن کے بارے میں حافظ کی ہمنوائی میں:

ثبت است بر جریۃ عالم دوام ما!

کہنا بالکل مناسب ہے۔ انہوں نے قریباً قریباً ہر چشمہ فکر سے اپنی یہیاس بھانے کی کوشش کی ہے اور ان تمام ادبی یادگاروں کو اپنے لیے شعل ہدایت جانا ہے جو ان کی اپنی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں میں کہاں فن کی سند رکھتی تھیں۔ اس ضمن میں جب اقبال گوٹے کے دیوان اط

علامہ محمود شبستری کی شہرہ آفاق مثنوی گلشن راز کا جواب "پیام مشرق" امد "ذبور عم" لکھ کر میراث فن کو وحدت کی مختلف منزلوں سے روشناس کر چکے تو معراج رسول مقبول کے اسرار و حقائق کی نقاب کشائی کی دیرینہ آرزو سردار ہوئی۔ یہ ۱۹۲۹ء کا زمانہ ہے جن دنوں سرسید کا معراج کے بارے میں مخصوص نقطہ نظر اہل نظر کو دعوتِ فکر دے رہا تھا۔ چنانچہ اقبال کے ذہن پر اس آرزو کی متواتر دستک تازیا نہ بنی اور انھوں نے "معراج نامہ جدید" کی داغ بیل ڈالی۔ یورپ میں ان دنوں اٹلی کے مشہور شاعر ڈانسے کی کتاب "ڈیوائن کامیڈی" ہدفِ تنقید بن رہی تھی اور اربابِ فکر نے اس بات کا کھوج لگا لیا تھا کہ ڈیوائن کامیڈی کے آسمانی ڈرامے کے پلاٹ کا خمیر ان واقعات اور تفصیلی مناظر سے اٹھایا گیا ہے جو اسلام میں معراجِ محمدیہ کے متعلق بعض احادیث و روایات میں مذکور ہوئے ہیں یا بعد میں دیگر مشہور متصوفین اور ادباء کے سرمایہ تحریر میں مندرج ہونے کے علاوہ ابن عربی کی تصنیف "فتوحاتِ مکیہ" میں بالتصریح ملتے ہیں۔

سردست ڈانسے کی "ڈیوائن کامیڈی" اور اقبال کے "جاوید نامہ" کا موازنہ زیر نظر نہیں۔ تاہم اس قدر کہنے میں کچھ ہرج نہیں ہے کہ جاوید نامہ اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک طرح ابن عربی کی "فتوحاتِ مکیہ" ابو العلامہ معری کے رسالہ "الغفران" کا نقش ثانی بھی ہے۔ جہاں تک ہیئت کا تعلق ہے ابن عربی نے بیابحت علوی کے بیان کے لیے دو افراد کو وسیلہ بنایا ہے۔ ایک عالمِ دین اور دوسرا فلسفی ہے۔ اور ان کی زبان سے مختلف مسائل پر اس انداز سے بحث کی ہے کہ گویا تمام خیالات و انکشافات و الہامات ہیں جو خود ان کے قلب پر اس معراج میں القاء کیے گئے۔ ابو العلامہ معری نے رسالہ "الغفران" میں اپنی بہشت اور دوزخ کی منظر کشی کے ساتھ رحمتِ خداوندی کی وسعت کو اجاگر کرنے کے لیے بدکار و گنہگار شعراء کو جنھوں نے مرنے سے پہلے توبہ کر لی تھی مغفرت و رحمت کا سراور اور ہوتے اور حجت میں داخل ہوتے دکھایا ہے۔ اسی طرح ڈانسے اور ابن عربی دونوں نے حیات بعد الموت کا سرز لگانے کے لیے رات ستاروں کی سیر کی ہے، اقبال کے مال بھی ان کی سیاحت چھرتاروں کے گرد

گھومتی ہے مگر یہاں دوزخ اور اعراف کا کہیں ذکر نہیں، بہت لمبے عذاب شخصیتوں کے بیان کے لیے ناک زحل کے ایک خونیں قندم کے منظر سے کام لے کر خدا را ان مدت کو ادراج جدیدہ کے روپ میں جو ننگِ آدم، ننگِ دیس، ننگِ وطن، ہیں دکھایا ہے۔ انھیں جوہنم کی آگ نے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

ان شواہد کے پیش نظر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اقبال نے مذکورہ بالا ہر سہ فن پاروں کو سامنے رکھ کر جاوید نامہ کا خاکہ تیار کیا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ انھوں نے ڈیوائس کا میڈی اور فتوحاتِ مکہ کے برخلاف حیاتِ مطلق اور ان اقدار پر جو بلا واسطہ بقائے حیاتِ انسانی کی ذمہ دار ہیں، تو جو مبذول کی ہے اور یہاں بھی اساسی مضامین وہی ہیں جو بابجا ان کی دیگر تحریروں میں ملتے ہیں البتہ یہاں ان کی شاعری ایک ڈرامائی کیفیت رکھتی ہے جس میں نئے اور صوت کو وہی آہنگ نصیب ہے جو تصویر کشی اور منظر آرائی کو ہے چنانچہ فن کے اعتبار سے جاوید نامہ کی رساوی و پرکاری، بے خودی و ہوشیاری عجیب چیز بن گئی ہے۔

مرحوم کی بڑی خواہش تھی کہ جاوید نامہ کی کوئی عمدہ مصور ILLUSTRATE کرے وہ آرزو مند تھے کہ ان کا یہ شاہکار ان یورپین اقوام تک ضرور پہنچے جو ڈیوائس کا میڈی سے متعارف ہیں۔ انھیں اس بات کا قدرے افسوس تھا کہ ان کا زیادہ بچتہ کلام فارسی زبان میں ہے۔ چنانچہ جب صوفی غلام محی الدین نے مرحوم سے اپنے ایک فاضل دوست کی اس خواہش کا ذکر کیا کہ وہ ان کے کلام کا انگریزی زبان میں ترجمہ کرنا چاہتے ہیں تو اس وقت جاوید نامہ کچھ عرصہ پہلے معرضِ وجود میں آچکا تھا۔ مرحوم نے انھیں اپنے مکتوبِ محررہ ۳۱ مارچ ۱۹۳۶ء میں لکھا:

”باقی رہا یہ امر کہ کونسی نظموں کا ترجمہ کیا جائے سو عرض یہ ہے کہ بانگِ ورا کی بیشتر نظمیں میری طالبِ علمی کے زمانے کی ہیں زیادہ بچتہ کلام افسوس کہ فارسی زبان میں ہوا۔ بہتر طریق یہ ہے کہ بانگِ ورا سے بعض نظمیں انتخاب کر لی جائیں باقی زبورِ عم اور پیامِ مشرق سے انتخاب۔“

کی جائیں۔

اس سے زیادہ اہم کام یہ ہے کہ جاوید نامہ کا تمام وکمال ترجمہ کیا جائے۔ یہ نظم ایک قسم کی DIVINE COMEDY ہے۔ مترجم کا اس سے یورپ میں شہرت حاصل کر لینا یقینی امر ہے۔ اگر وہ ترجمے میں کامیاب ہو جائیں، اور اگر اس ترجمے کو عمدہ مصور ILLUSTRATE بھی کر دیں تو یورپ اور ایشیا میں مقبول تر ہو گا۔ اس کتاب میں بعض بالکل نئے تخیلات ہیں اور مصور کے لیے بہت عمدہ مصالحہ ہے۔

ظاہر ہے کہ اقبال کے کلام کا یورپین اور دیگر ایشیائی زبانوں میں ترجمے کا احساس خود ان کے زمانے میں بیدار ہو چکا تھا۔ جن ادبی محسنوں نے اس کی طرف توجہ کی ان میں ڈاکٹر نکلسن، ڈاکٹر تاثیر، پروفیسر آربری اور کیریٹن کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر نکلسن کے بارے میں خود ڈاکٹر اقبال مطمئن تھے۔ ممکن ہے یہ اس لیے ہو کہ ڈاکٹر نکلسن کو جو سہولتیں میسر تھیں اس زمانے میں موجود نہیں ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ موجودہ زمانے میں مترجمین اقبال خواہ عبد القدیر نیاز ہوں یا الطاف حسین ان کی کاوشیں قابل ستائش تو ہیں مگر اس قدر بھرپور نہیں۔ اقبال کی اخلاقی شخصیت اور اس کے پیغام کی سرمدیت نے مختلف اقوام عالم کے مستشرقین کو اہل ہرے اور اب تک جرمنی میں پروفیسر ہل، فرانس میں مادام ایوریج، اٹلی میں ڈاکٹر بوسانی، مصر میں عبداللہ وہاب عزام مرحوم، چیکو سلاواکیہ کے مسٹر پیٹرک کے کارنامے اقبال کے ہموطنوں کو دعوتِ فکر سے رہے تھے۔ مقامِ شکر ہے کہ شیخ محمود احمد صاحب اقبال مرحوم کی دیرینہ آرزو کو جاوید نامہ کے منظوم انگریزی ترجمے کی صورت میں بر لاہ ہے ہیں۔ ترجمہ اور بالخصوص منظوم ترجمے کی دقتوں کا احساس صحیح طور پر صرف ان اہل علم کو ہو سکتا ہے جو اس منزل سے گذرے ہیں۔ ترجمے کا معاملہ جہاں انتہائی ذمہ داری کا حامل ہوتا ہے وہاں اس سے کما حقہ عمدہ برآ ہونا بہت مشکل ہے اور اقبال کے معاملے میں تو یہ ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے۔ اچھے ترجمے کی کسوٹی ناقدین ادب یہ بتاتے ہیں کہ اس پر ترجمے کا گمان نہ ہو، اور اس اعتبار سے شیخ محمود احمد صاحب

© rasailojaraid.com